Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 4 (April-June 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

The Role of Self-Awareness and Self-Reflection in Social Reform: An Analysis in the Light of Quran and Hadith

معاشرتی اصلاح میں خود شناسی اور خود احتسابی کا کردار: قرآن وحدیث کی روشنی میں جائزہ

Abdul Rahman
Head of the Department of Islamic Studies Punjab College Bahawalpur & Ph.D Scholar NCBA&E. faqeerabdulrahaman@gmail.com

Tooba Riaz
Lecturer, National College of Business Administration & Economics Lahore, Sub Campus Bahawalpur
toobariaz4343@gmail.com

Dr. Tanveer Akhtar
Lecturer Cholistan University of Veterinary & Animal Sciences Bahawalpur, tanveerakhtar@cuvas.edu.pk

Abstract

This study explores the crucial role of self-awareness and self-reflection in achieving social reform, guided by Quranic and Hadith principles. Our qualitative analysis reveals that self-awareness and self-reflection are essential for personal and collective transformation. We found that individuals must cultivate self-awareness to recognize and challenge their biases, prejudices, and harmful behaviors, and engage in regular self-reflection to promote social reform, justice, and compassion in Muslim communities and beyond. This research contributes to the ongoing discourse on Islamic ethics, personal development, and social change, emphasizing the significance of self-awareness and self-reflection in achieving a more just and equitable society. By highlighting the importance of introspection and personal growth, this study provides a framework for individuals and communities to work towards positive social change and spiritual development.

Keywords: Self-Awareness, Self-Reflection, Social Reform, Islamic Ethics, Personal Development

خودی کیا ہے؟ یہ عرفان ذات ہے، خود شناسی ہے اور حقیقت نفس کا ادراک و شعور ہے۔ خود شناسی انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ تاریخ انسانی کا طالب علم جانتا ہے کہ افراد و اقوام کا وجود و عدم اس کائنات کا ایک محکم اصول ہے۔ خود شناسی کی منزل سے دوری کے باعث انسان افراد و تفریط کی تاریک راہوں میں بھٹکتا رہا ہے۔ اگر ایک طرف انسان سیاسی و معاشی غلامی کی صورت میں ہوس کا نشانہ بنا تو دوسری طرف اس کا سر پتھروں، حیوانوں، درختوں، آگ اور پانی اور دیگر مظاہر فطرت کے آگے سجدہ ریز کر دیا گیا۔ بندے اور رب کے تعلق کا شعور ہی انسان کو اپنی ذات کی معرفت عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خود کو سنوارنے کے لئے بے شمار اصول بیان کیے ہیں۔ خود شناسی کے سلسلے میں تاریخ میں سب سے زیادہ جو کوششیں انجام دی گئیں وہ انبیاء علیہم السلام نے وحی الٰہی کی رہنمائی میں انجام دی ہیں۔ اس سلسلے کی آخری اور حتمی کوشش خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ سے ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے عرفانِ ذات کے ضمن میں پیدا ہونے والی دشواریوں کو دور کیا اور انسانی شخصیت کے عز و شرف کو بحال کیا۔

انسان خود اپنا مطالعہ کر رہا ہے، مطالعہ کرنے سے وہ اپنے اندر کا سفر شروع کر دیتا ہے اور آہستہ آہستہ انسان اپنا سراغ پالیتا ہے اور جب وہ اپنا سراغ پالیتا ہے تو پھر اس کو دو جہاں کی دولت معرفتِ خدا و معرفتِ خلق خدا کی صورت میں حاصل ہو جاتی ہے۔

انسان شناسی کی اس وسیع بحث کو علماء نے علم النفس سے تعبیر کیا ہے اور قرآن نے اس کے لئے نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہمارا اصل مرجع قرآن حکیم ہے اور ہمیں ہر معاملے میں رجوع الی الافکار کے بجائے رجوع الی القرآن کی ضرورت ہے۔ ہر دور میں مفکرین کی جماعت موجود رہی ہے جس نے ملت اسلامیہ کی انفرادی اور اجتماعی سطح پر تعمیر و سیرت میں اہم کردار ادا کیا۔ آج کے دور میں انفرادی، معاشرتی اور عالمی سطح، غرض ہر سطح پر مؤثر اصلاح کی ضرورت ہے۔ خود شناسی کے لئے خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک دین کی حفاظت اور اس کی خدمت کے لئے ہر دور میں ایسے انسان

CC BY

پیدا ایکے جو کفر و شرک اور بدعات کی بے پناہ یلغار کو اپنے نورِ ایمان سے روکتے رہے۔ ہر دور میں اس بات کی ضرورت رہی ہے کہ ایسے لوگ ہوں جو معاشرے کی اصلاح و تعمیر سیرت میں اپنا کردار ادا کریں۔ انبیاء کے بعد ہر دور میں ایسے اشخاص و رجال آتے رہے ہیں جو تجدید و اصلاح کا کام کرتے رہے۔ یہ رجال انفرادی خودی کے استحکام کی علامت رہے اور اجتماعی خودی کے تحفظ کے لئے مجاہدانہ انداز میں سرگرم عمل رہے۔

خود شناسی کا مفہوم

خودی سے مراد خود گری ہے جو خود آگاہی، خود شناسی اور خود اعتمادی سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ سادہ الفاظ میں خود سے مراد یہ ہے کہ انسان اس وسیع و بیکراں کائنات میں اپنے مقام کو پہچاننے اور انسان اور کائنات اور انسان اور ربِ کائنات کے مابین جو باہمی ربط و تعلق ہے اس سے کماحقہ آگاہ ہو کر اپنی تعمیر شخصیت اور تشکیل سیرت کرے اور خود کو اس اعلیٰ وارفع مقام تک پہنچائے کہ صحیح معنوں میں نیابتِ الٰہی اور خلیفۃ اللہ کے فریضے کو انجام دے سکے۔

علامہ جمال الدین القاسمی نے خودی کے اس مفہوم کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

لانه يد خل في ذالک كل مالزم من الواجبات اى كما فصل المها يمى فى تفسيره حيث قال: "عليكم انفسكم" اى الزموا ان تصلحوها بايتاء الدلائل من كتاب الله و سنة رسوله والعقليات المؤيدة بها و دعوة الاخوان الىٰ ذالک باقامة الحجج و دفع الشبه أمرهم بالمعروف و نهيهم عن المنكر بما مكن من القول و الفصل۔ لا تقصد وا فى ذالک۔([1])

سید قطب نے اس مضمون کو بڑی عمدگی سے ایک جملے میں سمو دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

والامة المسلمة قوامة على نفسها اولا وعلى البشرية كلها اخير۔([2])

(علیکم انفسکم سے مقصود یہ ہے کہ سب سے پہلے امت مسلمہ اپنی اصلاح و تعمیر کرے اور بعد میں (اس صلاحیت سے بہرہ ور ہو کر) پوری نوع انسانی کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے۔

یہاں اس امر کا ذکر بے حد ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے فقط اتنا کہا ہے کہ مسلمان خود کو ہر قسم کے شر اور فتنے سے محفوظ رکھیں اور ان پر امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ جب خلیفہ اوّل سیدنا ابو بکر الصدیقؓ کو اس بات کی اطلاع پہنچی تو وہ فوراً کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کرنے کے بعد لوگوں کو مخاطب کیا اور فرمایا:

"اے لوگو! تم اس آیت قرآنی یا یھا الذین امنوا علیکم انفسکم ۔۔۔ الخ پڑھتے ہو اور تم اس کا غلط مفہوم اخذ کرتے ہو حالانکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ لوگ جب برائی کو دیکھیں وار اس کا ازالہ نہ کریں تو قریب ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے"۔([3])

سید قطب نے اس امر کی مزید صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

ان كون الامة مسوولة عن نفسها امام الله لا يضرها من ضل اذا اهتدت لا يمنى انها غير محاسبة على التقيصر فى الامر بالمعروف و نهى عن المنكر فيما بينها اولاثم فى الارض جميعا۔([4])

(امت مسلمہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہوگی اور اسے یہ بات ہرگز ضرر نہ پہنچائے گی کہ وہ تو جادہ ھدایت پر گامزن رہی ہے اگرچہ دوسرے لوگ گمراہ رہے ہیں لیکن اس آیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اگر امر بالعمروف اور نہی عن المنکر میں اس نے کوتاہی کی ہے تو اس کے بارے میں اللہ کے یہاں اس سے پرسش نہیں ہوگی خواہ یہ کوتاہی امت مسلمہ میں داخلی تبلیغ میں واقع ہوئی ہو یا پوری روئے زمین میں آباد دیگر اقوام میں تبلیغ کے بارے میں واقع ہوئی ہو۔

قرآن مجید اور خودی

قرآن حکیم نے خودی (EGO OR SELF) کے لیے بالعموم "نفس" کی اصلاح استعمال کی ہے۔ بعض مقامات پر "روح" یا "انسان" جیسے الفاظ کی وساطت سے بھی خودی کی اساسی نوعیت، اس کے مختلف ارتقائی مراحل اور اس کی عاقبت کے بارے میں تفصیلات مہیا کی گئی ہیں۔([5])

خودی قرآن حکیم کی روشنی میں

خودی وہ عنصر ہے جو انسان کو جملہ حیوانات سے ممیز کرتی ہے اور اسے اشرف المخلوقات بناتی ہے۔ جدید علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم بے جان مادہ کے مطالعے میں کامیاب ہوئے ہیں، اس طرح ہم انسان کے متعلق حقائق کو دریافت نہیں کر سکتے۔ جامد مادے کے علوم اور حیاتیاتی علوم کے درمیان یہ فرق ہے کہ جامد مادہ ایک متعین قانون کا پابند ہے جبکہ حیاتیاتی مظاہر کو جبر و مقابلہ کی مساواتوں میں تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

اس حقیقت کا اعتراف اب سائنس دان بھی کر رہے ہیں کہ انسان ایک انتہائی پیچیدہ اور ناقابل تقسیم کُل ہے۔ کوئی چیز بھی آسانی سے اس کی نمائندگی نہیں کر سکتی۔ کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ سے ہم بیک وقت اس کی پوری ذات کو اس کے اجزا اور بیرونی دنیا کے ساتھ اس کے تعلقات کو بخوبی سمجھ سکیں انسان نے اپنی ذات کا تجزیہ کرنے کے لیے مختلف مہارتوں سے مدد لی اور

مختلف علوم سے کام لیا، لیکن وہ انسان سے صرف انہیں چیزوں کی تجرید کرنے میں کامیاب ہو سکا جو ان کے خاص طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ ان مجودات کو ایک دوسرے سے ملا بھی دیا جائے تب بھی ان مجردات کے بعد ایک ایسی ذات یا بالفاظ دیگر "خودیِ انسانی" باقی رہتی ہے جو بہت اہم ہوتی ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ([6])

خودی حدیث کی روشنی میں

خودی شعور ذات اور اظہار ذات کا نام ہے یا اس سے مراد انسان کا باطنی وجود ہے جسے علامہ اقبال نے خودی کی حقیقت، نقطۂ نور، مرکزِ وجود یا جوہر انسان کی اصطلاحوں سے تعبیر کیا ہے۔([7]) حضور اکرم ﷺ نے دنیا سے مطلق بے رغبتی اور قطع تعلق کو ناپسند فرمایا ہے۔ بخاری کے باب کتاب النکاح میں ان تین اشخاص کا ذکر ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی عبادت کا حال سن کر رات بھر نماز پڑھنے، دن بھر روزہ رکھنے اور شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ آں حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے انہیں منع کیا اور اپنی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

اما والله لا خشاكم لله واتقاكم له لكنى اصوم وافطرو اصلى وارقد اتزوج النساء فمن رغب من سنتى فليس منى۔ ([8])

"سنو اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے معاملے میں محتاط روش والا ہوں، لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں۔ شادیاں کرتا ہوں۔ پھر جس نے میرے طریق سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں"۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے تبتل (جنسی قوت کو ضائع کرنے) کی اجازت طلب کی تو حضور اکرم ﷺ نے اسی طرح کی بات کی۔([9])

آنحضور ﷺ کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے متمتع چاہئے۔ اور حلال و حرام کی تمیز کے ساتھ بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جس طرح ھویٰ وھوس کی پیروی میں بے ہنگم انہماک ناپسندیدہ امر ہے اسی طرح حیات کی نفع بخش ساعتوں سے بیزاری بھی غیر مطلوب ہے۔ دنیا سے بے رغبتی کے نتیجے میں یا اس کی تلخیوں کی ناگواری کے باعث موت کی آرزو ممنوع ہے۔ آپ نے فرمایا:

لا يتمنى احدكم الموت ولا يدع به من قبل ان ياتيه انه اذا مات انقطع عمله۔([10])

یعنی تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور موت سے پہلے موت کی دعا نہ کرے، کیونکہ وہ مر جائے گا تو اس کا عمل منقطع ہو جائے گا۔

ارشادات نبوی سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خواہش و آرزو کا ہونا فطری ہے۔ لیکن حرص وہوس میں مبتلا ہو کر اور حلال و حرام کی تمیز مٹا کر آسائشیں حاصل کرنا فساد آدمیت ہے۔([11])

اگر آدمی اپنے مقام سے آگاہ نہ ہو اور اپنے مقام کے مطابق اپنے آپ کو تربیت سے آشنا نہ کرے تو اس میں اور دیگر جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔([12]) قرآن حکیم کے کلمات واضح ہیں:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ ([13])

"خدا نے ہر جاندار کو کسی پانی سے پیدا کیا، پھر ان جانداروں میں سے کچھ وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں، خدا ہر شے پر پوری طرح قادر ہے"۔

خودی کسی چیز کی اس حقیقت وماہیت کا نام ہے کہ وہ نہ ہو تو چیز کا وجود بے حقیقت ہو کر رہ جائے اور وہ ہو تو ہر تیور اور ہر صفت میں جھلکے۔ اس حقیقت کو جان لینے اور اچھی طرح پہچان لینے کا نام ہی خود شناسی، خود آگاہی، عرفان نفس اور عرفان ذات ہے۔([14])

خودی کی تکمیل کا پہلا معیار انسان کی اپنی ذات ہے اور وہ یوں کہ انسان اپنے اعمال کو اعلیٰ مقاصد سے کس حد تک ہم آہنگ کر سکتا ہے۔ اس کا دوسرا معیار میرا معاشرہ ہے۔ معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے میں نے اپنے آپ کو تیار کر لیا ہے؟۔ تیسرا اور اعلیٰ ترین معیار شعور ذات حق ہے۔ خدائے بزرگ وبرتر کے حضور انسان کو اپنے اندر کا بھرپور احساس ہونا چاہئے۔

خودی کا موجودہ تصور بہت حد تک علامہ اقبال کا مرہون منت ہے۔ انہوں نے تکبر، نخوت اور خود پسندی کے بجائے خودداری، عزت نفس، استکمال ذات وغیرہ کے الفاظ کو خودی کا مترادف قرار دیا اور اسے شرف وکمال کی انتہائی منزلوں تک پہنچا دیا۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے([15])

CC BY

خودی کے بنیادی ستون:

خودی کی تعمیر کے چھے بنیادی ستون ہیں۔ان کو بنیادی افکار،اقدار یا عقائد بھی کہا جاسکتا ہے۔

پہلا ستون ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

خودی کا دوسرا ستون ہے: محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔

خودی کا تیسرا ستون ہے: حق کی فتح لازمی ہے۔

خودی کا چوتھا ستون ہے: تمام انسان برابر ہیں۔

خودی کا پانچواں ستون: رزق حلال

خودی کا چھٹا ستون: نکاح ہے

خودی کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اپنی صلاحیتوں کو پہچانے اور ان کا صحیح استعمال کرے، کیونکہ زندگی مسلسل کشمکش کا نام ہے، اس کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے۔اس لئے انسان کو چاہئے کہ اپنی اعلیٰ کارکردگی کے باعث اشرف المخلوقات کہلانے اور امتیازی لقب قائم رکھنے کے قابل بن کر ایک باوقار، بامقصد، کامیاب وپر سکون زندگی بسر کر سکے۔[16]

ذات شناسی کی ضرورت

دور حاضر کے پُر فتن دور میں جہاں مواصلاتی تحریکوں نے عروج حاصل کیا ہے وہیں امر بالمعروف نہی عن المنکر کی قدریں نہایت متاثر ہوئی ہیں۔جہاں دنیا نے ترقی کے مراحل طے کیے ہیں وہیں قرآن وسنت کو نظر انداز بھی کیا جارہا ہے۔دنیا کی آسائشوں نے انسانیت کو اتنا مگن کر دیا ہے کہ انسان اپنی پہچان تک بھولتا جارہا ہے اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی نے انسان کو عروج تو دیا لیکن اس کی پہچان اور اس کا مقصد حیات چھین لیا۔انسان کو ترقی کی اس راہ پر گامزن کیا کہ وہ یہ تک بھول گیا کہ اس کا مقصد حیات کیا ہے۔سات سمندر کے فاصلے تو ختم کر دیئے لیکن اپنے اندر جھانکنے کی صلاحیت اور اپنے احتساب کی فکر کو ختم کر دیا۔

اللہ رب العزت اور بندے کے تعلق کا شعور ہی انسان کو اپنی معرفت عطا کرتا ہے۔قرآن وسنت کی چند نصوص اس مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ‎الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ'' [17]

"اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے رب کریم سے بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو انسان بنایا اور پھر تیرے اعضاء کو درست کیا اور پھر تجھ کو جس صورت میں چاہا ترتیب دے دیا"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت انسان کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد کروا رہے ہیں اور اپنی تخلیق کے ایک عنصر سے اسے آگاہ کررہے ہیں اور آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے " يَاأَيُّهَاالْإِنسَانُ" سے خطاب کر کے تمام عالم انسانیت کو متوجہ کیا ہے۔

جب حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اسی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

"انسانی جہالت نے اس کو غافل بنا رکھا ہے" نیز ابن عمرؓ، ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کا بہکانے والا شیطان ہے۔حضرت ابو بکر وراق فرماتے ہیں۔"کریم کے کرم نے اسے بے فکر کر دیا ہے"۔[18]

اسی طرح ایک اور مقام میں اللہ تعالیٰ صیغہ استفہام کے ساتھ انسان کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے پیدا کیے جانے اور اپنی عالیشان بادشاہت اور اپنی معبودیت کا احساس اجاگر کراتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

''أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ'' [19]

"تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے؟ اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اور اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت کرے کہ جس پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً کافر فلاح نہیں پائیں گے"۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی فضیلت اور مخلوقات ربانی پر فوقیت اور شرفیت یاد کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلا "(20)

"اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور پانی پر سوار کیا اور ہم نے رزق دیا ان کو پاکیزہ اور نفیس چیزوں میں سے اور ہم نے اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت اور فضیلت عطا کی"

اس کی تفسیر میں ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا گیا ہے کہ انسان فرشتوں سے بھی زیادہ افضل ہے۔(21)

حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ سب نعمتیں عطا کیں کہ وہ سب نعمتیں کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئیں۔ جیسے کہ ایک حدیث میں آتا ہے۔

"ان اللّٰه خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صورتِه "(22)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا"

اللہ رب العزت نے انسان کو ہر وہ صفات عطا کی جس کی وہ صلاحیت رکھتا تھا اور جس کا وہ حق دار تھا۔ اللہ رب العزت نے انسان کو وہ تمام کمالات عطا کیے کہ جس کی وجہ سے وہ اس کائنات سے فائدہ حاصل کر سکے اور اس کائنات کا گہرائی سے مشاہدہ و مطالعہ کر کے اپنے خالق کو پہچان سکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ میں کچھ حصہ حضرت انسان کو بھی عطا کیا۔

اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ انبیاء علیہم السلام کی توجہات کا مرکز انسان کی ذات رہی ہے۔ انسان کی شخصیت کے انفرادی اور اجتماعی پہلو کی تعمیر کے لیے انبیاء علیہم السلام نے انسان کی ذات کو اپنی سرگرمیوں کا موضوع بنایا ہے اسی لیے اس کے انفرادی رویے اور اس کی اجتماعی سرگرمیاں پیغمبرانہ تطہیر و اصلاح کا محور رہی ہیں۔ اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کو جو بصیرت عطا کی اسی کی بدولت انہوں نے انسان کی ذات کا صحیح ادراک حاصل کیا اور اسی ادراک پر اصلاح کا پورا پروگرام مرتب کیا۔ یہ ادراک عطاء الٰہی اور حکمت انہی کا ہی تو نتیجہ تھا اور پھر انسان کے نفس کو اس کے خالق سے زیادہ کون جانتا ہے۔

اسی کو قرآن میں اللہ سبحانہ نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ "(23)

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت اپنی تخلیق انسانی کو بیان فرما رہے ہیں کہ ہم نے ہی انسان کو پیدا فرمایا ہے اور پھر اس کے دل کے چھپے ہوئے رازوں سے بھی ہم واقف ہیں۔ جو وہ سوچتا ہے، کرنا چاہتا ہے اور کر چکا ہے، ہم وہ تمام باتیں جانتے ہیں کیونکہ ہم اس کے اتنا قریب ہیں کہ اس کی شہ رگ کا وجود بھی اس کے وجود سے دور ہے۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کا احسان اس حدیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل میں جو خیالات آئیں ان سے درگزر فرما لیا ہے جب تک کہ وہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ کر لیں"(24)

قرآن مجید میں انسان کی شناخت

قرآن مجید نے خود شناسی کا عمل انجام دیا ہے اور سب سے پہلے انسان کو انسان شناسی کروائی ہے، انسان کو انسان سمجھایا ہے اور پھر اس شناخت کے مطابق دیگر تعلیمات و دیگر معارف انسان کے لئے بیان فرمائے ہیں۔

انسان شناسی کی ضرورت

شناخت انسان کی بحث واجبات میں سے ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے اگر ہم سے بہت سارے علوم چھوٹ بھی جائیں اور انہیں حاصل نہ کر سکیں تو کوئی ضرر نہیں ہے لیکن اگر انسان، انسان شناس نہ ہو تو اس کا بہت ضرر ہے۔

CC BY

خدا شناسی خود شناسی پر موقوف ہے

قرآن مجید نے دین اور معرفت خدا کو انسان کی معرفت کے ساتھ منسلک کر دیا ہے، اور روایات بھی اس نقطے کو بیان کرنے میں ہم آہنگ نظر آتی ہیں۔

یحیی بن معاذ الرازي رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من عرف نفسہ فقد عرف ربّہ''(25)

معرفتِ رب، معرفتِ انسان پر موقوف ہے

قرآن مجید نے اسی حدیث کا عکس نقیض یوں بیان فرمایا ہے۔

'' ولا تکونوا کالّذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم'' (26)

خدا فراموش مت بنو، وگرنہ خود فراموش بن جاؤ گے۔

یعنی ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو خدا کو بھول گئے ہیں کیوں کہ اس خدا فراموشی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم خود فراموش ہو جاؤ گے۔ حدیث میں ہے کہ خود شناسی کا نتیجہ خدا شناسی ہے اور قرآن میں ہے کہ خدا فراموشی کا نتیجہ خود فراموشی ہے۔

قرآن میں انسان شناسی کی بحث

انسان شناسی کی بحث سراسر قرآن میں بکھری ہوئی ہے البتہ چند سورتوں میں اسے جامع اور تفصیلی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی جامع ترین آیات سورۃ مومنون، سورۃ زخرف ہیں اسی طرح سورۃ ص کی چند آیات میں بھی اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

خلقت انسان ازنظرقرآن

قرآن مجید میں انسان شناسی کی بحث کا آغاز خلقت انسان سے ہوتا ہے کہ خداوند متعال نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے

''لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین''...(27)

اور سورۃ صاد میں خداوند تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب ہم نے ملائکہ کو کہا

"اذ قال ربک للملائکۃ انی خالق بشراً من طین''...([28])

جب خداوند متعال نے ملائکہ کو آگاہ کیا کہ میں بشر خلق کر رہا ہوں

البتہ قرآن مجید نے خلقت انسان کے اس سے پہلے والے مراحل کو بھی ذکر کیا ہے مثلاً

''لم یکنُ شیئاً مذکورا''...([29])

مراحل خلقت انسان

مرحلہ اوّل مٹی کا طین بننا

قرآن مجید نے انسانی خلقت کا پہلا مرحلہ یہ ذکر کیا ہے کہ ہم نے انسان کو طین سے پیدا کیا یعنی خشک مٹی سے نہیں بلکہ گُندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ طین یعنی گارا، ایسی مٹی جس کے اندر پانی کی آمیزش ہو۔

مرحلہ دوّم طین کا نچوڑ

اس مٹی سے خداوند تعالیٰ نے سلالہ بنایا۔

"لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین"...([30])

یہ مٹی کا نچوڑ یعنی "سلالۃ "اس کی بھی تشریح وتفسیر ہے کہ مٹی کا نچوڑ کیسے بنا، اور یہ نچوڑ نطفہ تک کیسے پہنچا؟ پس بیچ میں پنہاں و مخفی مراحل موجود ہیں، جو کہ اتنے واضح وروشن نہیں تھے، جنہیں قرآن مجید نے ذکر نہیں کیا بلکہ قرآن مجید نے انسان کی مادی خلقت کے فقط ان مراحل کو ذکر کیا ہے جو بہت موٹے موٹے ہیں اور درمیان میں موجود بعض دیگر مراحل کا تذکرہ نہیں کیا، بڑے بڑے مراحل ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

مرحلہ سوّم سلالہ سے نطفہ بنانا

پھر انسان تدریجاً مراحل طے کرتے کرتے نطفہ تک جا پہنچا۔

"ثمّ جعلناه نطفة فی قرارٍ مکین"(31)

خلقت انسانی کا یہ ابتدائی اور مادی فیز جب اپنی تکمیل اور اختتام کو پہنچا تو یہاں پر خداوند تبارک وتعالیٰ نے خلقت دوم کا آغاز کیا۔

''ثمّ انشأناه خلقاً آخر'' (32)

پھر ہم نے اس کو اِنشاء اور ایجاد کیا یعنی خلقتِ دیگر عطا کی اور اس خلقت کو یوں بیان فرمایا:

''ونفخت فیہ من روحی'' (33)

"ہم نے اس کے اندر اپنی روح ڈالی"

انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا اپنا نفس ہے جو اس کے اندر گھسا بیٹھا ہے۔ یہی نفس اسے برائی اور گناہ کی طرف مائل کرتا ہے۔ اسی نفس کے تزکیے اور راہِ راست پر رکھنے کا کام انسان کے سپرد ہوا ہے۔

نفس کی اقسام

انسانی نفس کی 3 حالتیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ۔

نفس امارہ

قرآن کی آیت کریمہ میں نفس کو" برے کاموں کا تقاضا کرنے والا بتایا گیا ہے۔

نفس لوامہ

حق تعالیٰ شانہ نے نفس لوامہ کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (34)

میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں نفسِ لوامہ کی۔

حضرت انسان جب نفس پرستی کے بجائے خدا پرستی اختیار کرتا ہے اور اپنے خالق کے احکام کی تعمیل میں اور آخرت کے خوف میں نفس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا تو اس کا یہی نفس لوامہ یعنی برے کاموں پر ملامت کرنے والا بن جاتا ہے۔

نفس مطمئنہ

قرآن حکیم میں حق تعالیٰ شانہ نے نفس انسانی کو یوں مخاطب فرمایا

يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (35)

کہ اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی

جو بندہ مومن نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے اس حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ نفس اس سے برے کاموں کا تقاضا ہی نہیں کرتا تو وہ نفسِ مطمئنہ ہو جاتا ہے۔

CC BY

نفس (خودی) کی اصلاح قرآن کی روشنی میں

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (36)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں

تزکیۂ نفس کے حوالے سے یہ امر ذہن نشین رہے کہ تزکیہ کے لغوی معنی پاکی، صفائی اور نشوونما کے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو آلائشوں سے پاک صاف کرنا، نیکی کی نشوونما کرنا اور اس کو ترقی دینا ہے۔ مگر قرآنی مفہوم کے مطابق تزکیہ کے معنی نفس کو تمام ناپسندیدہ، مکروہ اور قبیح عناصر سے پاک کر کے خدا خوفی، نیکی اور تقویٰ جیسی خوبیوں سے آراستہ کرنا ہے۔ رذائلِ اَخلاق سے بچنا اور فضائلِ اخلاق سے منور ہو کر بندگی خالقِ کائنات کو درجۂ کمال تک پہنچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں اس دعا کو بیان فرمایا، جو حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ مانگ رہے تھے جس میں تزکیے کا تذکرہ کیا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (37)

اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انھی کی قوم سے ایک ایسا رسول اُٹھائیو، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

محسنِ انسانیتؐ کی پوری زندگی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ کس طرح آپؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا تزکیہ کیا۔ یہی تزکیہ کا عمل ہے جس نے صحابہ کرامؓ کو تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا۔ اسی پر تو خالقِ کائنات نے فرمادیا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ○ (38)

میں نے تمھارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمھیں میری آیات سناتا ہے۔ تمھاری زندگیوں کو پاکیزہ بناتا ہے، تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقعے پر مسلمانوں کے تزکیے کا حکم دیا جب مدینہ کے کچھ منافقین سچے دل سے ایمان لے آئے۔ فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (التوبہ ۹:۱۰۳)

اے نبیؐ! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور اس سے تزکیہ کرو (نیکی کی راہ میں انھیں بڑھاؤ) اور ان کے حق میں دعاے رحمت کرو کیوں کہ تمھاری دعا ان کے لیے وجۂ تسکین ہو گی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ (39)

درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو پاکیزہ بناتا ہے (تزکیہ کرتا ہے) اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانائی (حکمت) کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

یہ آیات قرآنِ حکیم میں تین بار دہرائی گئی ہیں جن سے رسولِ اکرمؐ کے فریضۂ نبوت کی نشان دہی کی گئی ہے۔

تعمیر سیرت میں ذات شناسی کی اہمیت

اسلام میں تعمیر سیرت و کردار کا پہلو شروع سے ہی اہم موضوع رہا ہے۔

قرآن و سنت کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو صحیح راستہ دکھایا جائے کہ جس کی بنیاد پر وہ ایک خوبصورت معاشرے کی تشکیل کر سکے۔ حسن معاشرے کے لیے سب سے پہلے فرد کو اپنی تعمیر سیرت کرنی ہو گی۔ کیونکہ معاشرے کی بقا فرد پر منحصر ہے۔

CC BY

تعمیر شخصیت کے ان اجزاء کا تفصیلاً تذکرہ قرآن واحادیث نبویہ ﷺ میں موجود ہے۔

(ا)محبت (2) خوف وہراس (3)غصہ وغضب (4)حسد وتکبر

اللہ رب العزت قرآن کریم میں بیان فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔ (40)

ترجمہ: مومنین اللہ سے شدید محبت کرنے والے ہیں۔

اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں شیخ عبدالحق حقانیؒ لکھتے ہیں۔

"محبت علماء ظاہر کے نزدیک ایک قسم کا ارادہ اور خواہش ہے جو ممکن الوجود چیز کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ چونکہ ممکن نہیں بلکہ واجب ہے تو اس کی محبت کے یہ معنی ہیں کے اس کی محبت اطاعت اور ثواب ورضا کو محبوب جانے۔(41)

امام بیضاویؒ بھی اس آیہ مبارکہ میں محبت کے مفہوم کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

دل کے میلان کو محبت کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے بندے کی محبت، اس کی اطاعت اور اس کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ کے لیے یہ ہے کہ وہ اسے اکرام اور اطاعت پر کاربند رہنے اور معاصی سے بچانے کا نام ہے۔ (42)

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ " (43)

ترجمہ: اے نبی ﷺ : انہیں کہیے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔

خود احتسابی اور معاشرتی اصلاح

آج ہم بحیثیت انفرادی واجتماعی اس لئے زوال پذیر ہیں کہ خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو نہیں گزارتے، دوسروں کے احتساب کی بات کرتے ہیں ہیں، خود اپنے اعمال ونیتوں کا احتساب نہیں کرتے۔

خود احتسابی کی تعریف یہ ہے کہ انسان ایک خاص وقت میں اپنے یومیہ، ہفتہ وار، ماہانہ، اور سالانہ کارکردگی کا جائزہ لے، اپنے حقوق کی تحصیل اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی پر تنہائی یا اپنے کچھ مخلص اور سمجھدار دوستوں کی مجلس میں نگاہ ڈالے، اپنے اہلیت وناہلیت کو خود ہی چھلنی سے گزارے۔

قرآن کریم نے خود احتسابی کی طرف ایک جگہ یوں رہنمائی کی ہے" بلکہ انسان اپنے آپ کا نگہبان ہے" (44)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا" آج کے دن، اے انسان، تو ہی اپنے احتساب کے لئے کافی ہے"(45)

مصر کے حکمراں حضرت یوسف کا قول قرآن کریم میں منقول ہے:" اور میں اپنے آپ کو خطاؤں سے بری نہیں سمجھتا، بے شک ہر نفس برائیوں کا کچھ زیادہ ہی حکم دیتا ہے، سوائے اس کے جس پر میرا رب مہربان ہو"(46)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آخر یہ ساری محنتیں بے کار کیوں ہیں، ساری کوششیں اکارت کیوں ہوتی ہیں، اصلاح معاشرہ کی کوئی تدبیر کامیاب کیوں نہیں ہو رہی ہے، معاشرہ بجائے اصلاح کے بگاڑ وفساد کی طرف مزید کیوں بڑھ رہا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر اس وعدہ کا اعلان نہیں فرمایا:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا " (47)

کہ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم انھیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے۔ دوسری جگہ یہ وعدہ مذکور ہے:

"اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ " (48)

CC BY

اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے قدموں کو استقامت بخش دیں گے"

ہر گھر کا ذمہ دار آدمی اپنے اہل وعیال کو حق بات سکھانے اور اس پر عمل کرانے کی سعی میں دل وجان سے لگ جائے کہ اس طرح تبلیغ وتعلیم اور اصلاح وتربیت کا دائرۂ عمل سمٹ کر صرف گھروں کے ذمہ داروں تک آجاتا ہے۔

قرآن کریم نے اسی تنظیمی اصول کے پیش نظر یہ اعلان فرمایا:

یا ایہا الذین امنوا قوا انفسکم واہلیکم نارا (49)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

وامر اہلک بالصلوٰۃ واصطبر علیہا (50)

کہ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری دنیا کے رسول ہیں اور جن کی ہدایت قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے عام ہے، آپ کو بھی سب سے پہلے اس کا حکم دیا گیا کہ

وانذر عشیرتک الاقربین (51)

خودی اور فکرِ رومی:

حضرت رومی کے پیغام کی عظمت کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس نے خودی اور خود شناسی، جہد وعمل اور تسخیر کائنات کا جو فلسفہ عالم اسلام کے لئے پیش کیا اس کی حقانیت آج آٹھ سو سال گزر جانے کے بعد بھی محترم ومسلم ہے۔ اس نے انسان کی صحیح مقداری کے احساس، دنیابیزاری اور گوشہ گیری کے رجحانات، تقدیر وتوکل کے غلط مفہوم اور بے عملی کے تصورات کو پاش پاش کر کے انسانی فکر وعمل کی راہیں بدل دیں۔

انسان کو قنوط سے نجات دلائی اور حدود الٰہی کے اندر خودی کے ارتقا اور اس کے ممکنات کو آشکار کیا۔ مولانا روم کی مثنوی، جو تقریباً ۲۶ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ دنیا کی ان چند کتابوں میں سے ہے جو روح انسان کو ان رفعتوں کی طرف جرأت پرواز بخشتی ہیں جو انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے ارشاد کی روشنی میں اس کے لئے مقدر کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مثنوی کو ہست قرآن در زبان پہلوی کہا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے دور میں فلسفۂ خودی کے سب سے بڑے نقیب اقبال نے مولانا کو پیر رومی اور مرشد رومی کے القابات سے یاد کیا ہے اور اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ رومی کے شعلے کے مقابلے میں وہ صرف ایک شرار کے فروغ کی حیثیت رکھتے ہیں اور رومی کے بحر کے ایک شناور ہیں تاکہ اس میں غوطہ لگا کر موتی تلاش کر سکیں۔(52)

خودی اور امام ابن تیمیہ

امام ابن تیمیہؒ ملت اسلامیہ کے ان ممتاز وخوش نصیب اشخاص میں سے ہیں جو نہ صرف استحکام خودی کے بلند مرتبے پر فائز تھے بلکہ ملت کی اجتماعی خودی کے محافظ تھے۔ شاہ ولی اللہ نے انہیں ساتویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

مجدد مائۃ صفتم شیخ الاسلام ابن تیمیہ وحافظ ابن القیم است وتجدید این دو بزرگوار کار سے کود کہ مثل آں از سلف وخلف معہود نیست، کتب ودفاتر اسلام و تواریخ وسیر از احوال شان مشحون است۔ (53)

ترجمہ: ساتویں صدی کے مجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم ہیں۔ ان کی مجددانہ سرگرمیوں نے وہ کام کر دکھایا کہ سلف وخلف میں اس کی مثال نہیں۔ اسلامی کتابوں اور کتب تاریخ وسیر ان کے حالات سے بھری پڑی ہیں۔

علامہ شبلی کے بقول اسلام میں سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں علما، فضلا، مجتہدین، ائمہ فن اور مدبرین گزرے، لیکن مجدد کم پیدا ہوئے۔ مجدد کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں:

۱۔ مذہب، علم یا سیاست میں کوئی مفید انقلاب پیدا کر دے۔

۲۔ جو خیال اس کے دل میں آیا ہو کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہادی ہو۔

۳۔ جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو۔

تیسری شرط اگر ضروری قرار نہ دیا جائے تو امام ابو حنیفہؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ، شاہ ولی اللہ صاحب اس دائرے میں آسکتے ہیں۔ لیکن جو شخص رفامر (مجدد) کا اصلی مصداق ہو سکتا ہے وہ علامہ ابن تیمیہ ہیں۔ مجددیت کی اصلی خصوصیتیں جس قدر علامہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں اس کی نظیر کم، بہت کم مل سکتی ہے۔(54)

CC BY

اہل تصوف کے گروہ میں جب یونانی وہندوستانی فلسفہ واشراقیت کے اثرات داخل ہوگئے اور اسلامی عقائد وافکار کے ساتھ اس طرح شیر وشکر ہوگئے تھی کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا۔ غیر مسلموں کے اختلاط، عجمی اثرات اور علام کے تساہل وغفلت سے عاوم میں مشرکانہ عقائد واعمال پھیلے ہوئے تھے۔ توحید ودین خالص پر پردے پڑتے چلے جارہے تھے۔ صالحین کے بارے میں غلو پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ اسلام اندرونی اور بیرونی حملوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، عیسائیوں میں اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے اور اسلام پر اعتراض کرنے کی نئی تحریک پیدا ہورہی تھیں۔ صلیبیوں کے پے در پے حملوں اور شام وفلسطین اور قبرص میں مغربی النسل عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی نے ان میں حوصلہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے علمی مقابلہ کریں اور نبوت محمدی ﷺ پر اعتراضات اور اپنے مذہب کی ترجیح پر کتابیں تصنیف کریں۔ ([55])سیاسی، مذہبی، علمی، اخلاقی اور معاشرتی بحران کی یہ کیفیت تھی جس سے اس وقت کا عالم اسلام دوچار تھا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف، خواہشات نفسانی کی شخصیتیں ٹوٹ پھوٹ کر وہ گئی تھیں، وہاں ملت کا اجتماعی تشخص بھی گم ہو رہا تھا، اور جاہلیت عموس رنگ غالب آرہا تھا، ایسے میں امام ابن تیمیہؒ اٹھے اور اپنی پوری قوت وصلاحیت کے ساتھ توحید خالص اور کتاب وسنت کی پیروی کا نعرہ لگایا جو انفرادی اور اجتماعی خودی کے استحکام کی علامت بنا اور خودی کے استحکام کا وسیلہ بنا۔

امام ابن تیمیہ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملت اسلامیہ کے اجتماعی تشخص کو پھر سے کتاب وسنت کی بنیادوں پر مستحکم کیا اور جاہلیت کے اثرات بد سے محفوظ رکھنے کے لئے علمی وعملی جہاد کیا۔ مسلم معاشرے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور ضبط نفس کے ذریعہ سے نیابت الٰہی کے عظیم منصب پر فائز رکھنے کی بھرپور سعی کی۔([56])

خودی اور امام ابن القیم الجوزی

خودی، خودداری، خود شناسی اور خود اعتمادی احساس کمتری سے نجات اور اپنے آپ پر بھروسے اور خود اپنی قوتوں سے کام لینے کا دوسرا نام ہے۔ خودی غرور وتکبر نہیں، اپنی ذات کو پہچان اور اسی کی تکمیل ہے۔ آج کل کی نفسیات کی اصطلاح میں EGO یا شخصیت کا جو مفہوم ہے خودی اس کے بہت قریب ہے۔ عربی میں اس تصور کو انا کہتے ہیں۔

آٹھویں صدی کے بے مثال عالم اور امام ابن تیمیہ کے معروف ترین شاگرد امام ابن قیم الجوزیہ نے اپنے دور میں اس تصور کی تربیت وتعمیر اور استحکام کے سلسلے میں، جیسے علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے خودی کا نام دیا عدیم النظیر خدمات انجام دی ہیں۔ اسی سلسلے میں ان کی خدمات کا جائزہ لینے اور ان کی اصلاحی جدوجہد اور ان کے علمی واصلاحی مزاج کو سمجھنے کے لئے اس ماحول سے آگہی حاصل کرنا ضروری ہے، جس میں وہ پیدا ہوئے، نشوونما پایا اور جس میں بعد میں انہوں نے اپنا اصلاحی وتجدیدی کام سرانجام دیا۔([57])

امام ابن القیم الجوزیؒ نے غلط عقائد اور تصورات کی تردید کی ہے جو مشرکانہ طرزِ عمل کی بنیاد تھے۔ امام ابن قیم نے اپنی مختلف تصنیفات میں عقیدہ توحید کی عظمت اس کی برکات اور شرک کی نجاست اور اس سے پیدا ہونے والی برائیوں کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اغاثۃ اللھفان عن مصائد الشیطان میں لکھتے ہیں:

توحید کا مطلب صرف توحید ربوبیت کا ماننا نہیں، خداوند تعالیٰ کے رب ہونے کو تو مسلم اور کافر سب مانتے ہیں۔ توحید کا اصل مطلب توحید الوہیت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق ہے کہ وہ سب اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی اور کو ساجھی نہ بنائیں۔([58])

خودی اور مجدد الف ثانی

خودی کو بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

انسانی انا اور خودی کی بات کرتے ہوئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ذات الٰہی اور کائنات کے وجود کے بارے میں بھی بات کی جائے کیونکہ انسان، اللہ اور کائنات ایک ایسی تثلیث ہے جو باہم مربوط ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو یا دو کو فراموش کر کے باقی پر گفت گو کرنا محال ہو جاتا ہے اور موضوع تشنہ رہتا ہے۔ چنانچہ فلاسفہ متکلمین اور صوفیا میں سے جس کسی نے کوئی فکر پیش کی وہ ان تینوں سے بحث کرتا تھا اور جہاں ان کی انفرادی حیثیت کو متعین کرتا تھا وہاں ان کے درمیان باہمی روابط بھی قائم کرتا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے انسان کے بارے میں اپنا انداز فکر پیش کرتے ہوئے خدا اور کائنات کے سامنے اس کی حیثیت اور ان کے وجود کے ساتھ اس کے روابط پر بھرپور بحث کی ہے۔

ان کے نزدیک انسان عبارت ہے روح اور بدن سے جس میں روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

قل الروح من امر ربی ([59])

اور بدن عالم خلق سے متعلق ہے۔ عالم خلق وہ کائنات ہے جس میں ترتیب وتدریج ہے جیسے آسمانوں اور زمین کو سات دن میں بنایا اور عالم امر وہ ہے جو امر کرنے سے موجود ہو گیا۔ وما امرنا الا کلمح البصر او ھو اقرب۔ لہٰذا عالم امر خلق سے جدا ہے۔ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ سے بھی یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح آدم کو اپنی بے چونی کی صفت پر تخلیق کیا، چناں چہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ لامکانی ہے، روح بھی لامکانی ہے، روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو خدا کو عالم کے ساتھ ہے۔ نہ اس میں وہ داخل ہے نہ خارج ہے۔ روح قیوم بدن ہے۔ ور اللہ تعالیٰ کی قیومیت بدن کے ساتھ بواسطہ قیومت روح ہے ذات حق سے جو فیض آتا ہے وہ پہلے روح پر وارد ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ یہ فیض بدن تک پہنچتا ہے چوں کہ روح بہ صورت ہے چونی تخلیق ہوئی ہے، اس لیے اس میں ذات بے چون کی گنجائش اور سمائی کی اہلیت ہے۔ لایعنی ارضی ولا سمائی ولکن یمنی قلب عبد المومن کا یہ ہی مطلب ہے۔ زمین وآسمان باوجود وسعت اور فراخی کے دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چون وچگون

CC BY

کے داغ سے داغ دار ہیں لہذا "بے چون" ان میں سما نہیں سکتا۔ اور غیر مومن کا قلب لا مکانی کے اوج سے گر جاتا ہے۔ اسی طرح عرش باوجود عظمت و فراخی کے چوں کہ مکانی ہے، روح کے لا مکانی ہونے کی بنا پر قلب میں دانہ خردل کی مانند سما جاتا ہے حتی کہ ملائکہ خود دائرہ امکان میں داخل ہیں انوار قدم کی تجلی گاہ نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان خلیفہ رحمان ہوا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی صورت پر مخلوق ہونا ہی اس چیز کا خلیفہ ہونے کا سزاوار ہے۔ اس کے بغیر بار امانت کا تحمل مشکل ہے۔([60])

شاہ ولی اور فلسفۂ خودی

شاہ ولی اللہ اور حقیقتِ انسانی

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک انسانی شخصیت تین جہتوں پر مشتمل ہے:

۱۔ بشریت

۲۔ ملکیت

۳۔ مظہریت

بشریت انسان کے جسد عنصری سے ترکیب پاتی ہے اور اس کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ ملکیت انسان کی روح سے عبارت ہے اور اس کا تعلق عالم امر کے ساتھ ہے اور مظہریت در اصل وہ حقیقت بسیط ہے جو شعورِ ذات کی مظہر اور اس حسنِ مطلب کی جلوہ گاہ ہے جس کے رنگارنگ جلووں سے دامنِ کائنات معمور ہے۔ یہاں بشریت و ملکیت کے سب حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں اور تعینات کی نسبت سے فانی اور حقیقت قائمہ کی نسبت سے باقی ہو جاتا ہے، یہی مقام حقیقت انسانی ہے اور بشریت و ملکیت اس کے دو حجاب ہیں۔

شاہ ولی اللہ اور دیگر عرفا کے نزدیک بشریت کی طرح ملکیت و نوارنیت بھی ایک حجاب ہی ہے۔ بلکہ نورانیت بشریت کے مقابلے میں ایسا لطیف حجاب ہے جس کا احساس و ادراک بھی بہت مشکل سے ہوتا ہے اس لیے اس حجاب کا اٹھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ چناں چہ اس مرحلے میں سے گزر کر قیام خودی تک رسائی پانا حقیقت میں یہی سب سے بڑا کام ہے۔([61])

حصول خودی کے راستے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مقام خودی کے حصول کے لیے جہدِ حیات میں رجوع الی اللہ کو ایک بنیادی شرط کے طور پر بیان کرتے ہیں ان کے نزدیک اس منزل تک رسائی کے دو راستے ہیں۔

1۔ راہ جذب

2۔ راہ سلوک

بعد از انکہ سالک طرف از معنی بے نشانے دریافت در راہ پیش می آئندہ راہ جذب و راہ سلوک

راہِ طریقت کے ان مراحل کو طے کر لینے کے بعد جب سالک اپنے اندر ایک حد تک بے نشانی یا بے رنگی کی حقیقت پائے تو اس کے سامنے دو راہیں کھلتی ہیں۔ ایک۔ جذب کی راہ اور دوسری سلوک کی راہ۔

راہِ جذب

راہِ جذب سے ان کی مراد وہ کیفیت نہیں جس میں کوئی عارف جلوہ حسن میں گم ہو کر عقل و حواس کھو بیٹھا ہے۔ بلکہ اس سے مراد حقیقت بسیط تک پہنچنے کے لیے وہ راہ ہے جس میں توحید افعالی، توحیدِ صفاتی اور توحید راتی کے مراحل آتے ہیں۔

شاہ صاحب مقام خودی کے حصول کے لیے راہِ جذب کو راہِ سلوک پر ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب بندہ عرفانِ نفس کے ذریعہ سے عرفانِ ذات تک پہنچنے کی خاطر راہِ جذب اپناتا ہے تو سب سے پہلے "توحیدِ افعالی" کی منزل آشکار ہوتی ہے۔([62])

حصول خودی کے سفر میں توحید افعالی کے مرحلوں کو عبور کرنے کے بعد مرد حق پر توحید صفاتی کا مرحلہ آشکار ہوتا ہے۔ توحید صفاتی کے ضمن میں شاہ ولی اللہ دہلوی صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ نے انسانوں پر یہ لازم کر دیا ہے کہ وہ اپنی خودی میں توحید صفاتی کے جلووں کا نظارہ کریں اور اپنی خودی کو اس ذات کے حسن اور صفات کے آئینے کے مانند دیکھیں جس نے پوری کائنات کے مظاہر میں ظہور فرمایا ہوا ہے۔ چناں چہ توحید صفاتی کے مرحلے کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مردِ حق کائنات کے ہر وجود، ہر حقیقت اور متنوع مظاہر قدرت میں صرف اسی ایک حقیقت کو ہی جلوہ گر اور آشکار دیکھتا ہے۔([63])

CC BY

حصول مقام خودی کے دو راستے

شاہ صاحب کے نزدیک کمال خودی کی اس منزل تک رسائی پانے کے دو راستے ہیں۔

طریق نبوت([64]) اور طریق ولایت([65])

شاہ صاحب فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ اکرامؓ نے ہر دو طریق سے اخذ فیض کیا تھا، یوں کہہ لیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی طریق نبوت اور طریق ولایت ہو دو طرق سے ایصال فیض کے لیے صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوا کرتی تھی۔ ہر دو طرق میں فرق و امتیاز واضح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ طریق نبوت کلی فضیلت کا حامل ہے جب کہ طریق ولایت جزوی فضیلت کا طریق ولایت کا منتہیٰ اور نقطۂ کمال قطبیت اور غوثیت کے مقامات ہیں اور طریق نبوت کا منتہیٰ اور نقطۂ عروج مجددیت کے مقامات ہیں۔([66])

خودی سے مراد خود گری ہے جو خود نگری، خود آگاہی، خود شناسی اور خود اعتمادی سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ سادہ الفاظ میں خود سے مراد یہ ہے کہ انسان اس وسیع و بیکراں کائنات میں اپنے مقام کو پہچاننے اور انسان اور کائنات اور انسان اور ربِ کائنات کے مابین جو باہمی ربط و تعلق ہے اس سے کماحقہ آگاہ ہو کر اپنی تعمیر شخصیت اور تشکیل سیرت کرتے اور خود کو اس اعلیٰ و ارفع مقام پہنچائے کہ صحیح معنوں میں نیابتِ الٰہی اور خلافت ارضی کے فریضے کو انجام دے سکے۔ قرآن حکیم نے خودی کے لیے بالعموم "نفس" کی اصلاح استعمال کی ہے۔ بعض مقامات پر "روح" یا "انسان" جیسے الفاظ کی وساطت سے بھی خودی کی اساسی نوعیت، اس کے مختلف ارتقائی مراحل اور اس کی عاقبت کے بارے میں تفصیلات مہیا کی گئی ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ علامہ الشام، محمد جمال الدین القاسمی، تفسیر القاسمی، ج۶، ص۲۱۹۰۔

2۔ سید قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج۷، ص۶۰، طبع بیروت، طبع ثالثہ۔

3۔ الخطیب التبریزی، مشکاۃ المصابیح، ج۲، ص۶۴۳، طبع دمشق۔

4۔ سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، ج۷، ص۶۱۔

5۔ حکیم محمد سعید، خودی (مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی) ص۳۱، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی، طبع ۱۹۸۵۔

6۔ حکیم محمد سعید، خودی (مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی) ص۳۷۔

7۔ حکیم محمد سعید، خودی (مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی) ص۴۳۔

8۔ البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار طوق النجاۃ، مصر، ۱۴۲۲ھ، کتاب النکاح، ج۳، ص۱۶۹۔

9۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، ج۳، ص۱۷۵۔

10۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب تمنی الموت، ۱۳۹، مطبع دہلی۔

11۔ حکیم محمد سعید، خودی (مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی) ص۵۱۔

12۔ حکیم محمد سعید، خودی (مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی) ص۶۱۔

13۔ النور: ۶۵۔

14۔ حکیم محمد سعید، خودی (مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی) ص۷۳۔

15۔ حکیم محمد سعید، خودی (مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی) ص۱۴۰۔۱۴۱۔

16۔ حکیم محمد سعید، خودی (مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی) ص۲۱۳۔

17۔ الانفطار، ۸: ۶

18۔ ابن کثیر، عماد الدین، تفسیر القرآن الکریم، مترجم: جوناگڑھی، مولانا محمد، ج:۵، ص:۴۹۱، شیخ بک ایجنسی، یوسف مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

19۔ المومنون، ۲۳: ۱۱۸: ۱۱۵

20۔ بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰

21۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن الکریم، ج:۳، ص:۲۰۸

22۔ محمد بن عبداللہ، اصول السنۃ، ومعہ ریاض الجنۃ، بتخریج اصول السنۃ، ج:اول، ص:۷۵، الناشر، مکتبۃ الغرباء الأثریۃ، المدینۃ النبویۃ، الطبعۃ: الاولیٰ، ۱۴۱۵ھ

23۔ النحل، ۱۶: ۵۰

24۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج:۵، ص:۱۶۳

25۔ السخاوي، شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد (المتوفى: 902هـ)، المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، دار الكتاب العربي - بيروت الطبعة: الأولى، 1405 هـ - 1985م

CC BY

26۔ الحشر:۵۹: ۱۹۔

27۔ المؤمنون،۲۳: ۱۲۔

28۔ ص،۳۸: ۷۱۔

29۔ الدھر،۷۶: ۱۔

30۔ المؤمنون،۲۳: ۱۲۔

31۔ المؤمنون،۲۳: ۱۳۔

32۔ المؤمنون،۲۳: ۱۴۔

33۔ الحجر،۱۵: ۲۹۔

34۔ القیامہ،۷۵: ۱۔

35۔ الفجر،۸۹: ۲۷۔۲۸۔

36۔ الذاریات،۵۱: ۵۶۔

37۔ البقرہ۲: ۱۲۹

38۔ البقرہ۲: ۱۵۱

39۔ آل عمران۳ : ۱۶۴۔

40۔ البقرہ،۲ : ۱۶۵۔

41۔ الحقانی عبدالحق، ”تفسیر حقانی“ ،ج: ۴،۳،ص: ۲۱

42۔ البیضاوی، ناصر الدین، تفسیر البیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، البقرہ:165، ص:117، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ۔۱۶۱۸ھ

43۔ آل عمران،۳ : ۳۱۔

44۔ القیامۃ، ۷۵: ۱۳۔

45۔ بنی اسرائیل،۱۷: ۱۴ ۔

46۔ یوسف،۱۲: ۵۲۔۵۳۔

47۔ العنکبوت،۲۹: ۶۹۔

48۔ محمد،۴۷: ۷۔

49۔ التحریم،۶۶: ۶۔

50۔ طٰہٰ،۲۰: ۱۳۲۔

51۔ الشعراء،۲۶: ۲۱۴۔

52۔ حکیم محمد سعید، خودی اور مفکرین اسلام، ج۳، ص۲۷

53۔ الحج الکرامہ فی آثار القیامہ، ص۱۳۶۔۱۳۷

54۔ مقالاتِ شبلی، ص۲۸۔

55۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج۲، ص۲۳۔۲۴۔

56۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج۲، ص۲۰۔

57۔ محمد عثمان، پروفیسر، اقبال کا فلسفۂ خودی، ص۱۲۔

58۔ ابن قیم الجوزی، اغاثۃ اللھفان، ج۱، ص۲۶۔۳۰۔

59۔ بنی اسرائیل،۱۷: ۸۲

60۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، مکتوب۲۸۷، دفتر اول۔

61۔ حکیم محمد سعید، خودی اور مفکرین اسلام، ج۳، ص۷۱۔۷۲

62۔ حکیم محمد سعید، خودی اور مفکرین اسلام، ج۳، ص۷۶۔۷۷

63۔ حکیم محمد سعید، خودی اور مفکرین اسلام، ج۳، ص۷۸۔

64۔ فیوض الحرمین، ص۱۴۴۔۱۴۵۔

65۔ فیوض الحرمین، ص۱۴۴۔۱۴۵۔۱۴۶۔

66۔ حکیم محمد سعید، خودی اور مفکرین اسلام، ج۳، ص۸۷

CC BY